ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol. 6 No.1 2022

مولانا ظفر علی خاں کی صحیفہ نگاری کا مختصر جائزہ

BRIEF REVIEW OF MAULANA ZAFAR ALI KHAN'S WRITINGS

آمنہ سردار

پی ایچ۔ڈی اُردو اسکالر، شعبہ اُردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر سید تنویر حسین

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

Maulana's journalistic life formally began with Maulana's residence in Hyderabad Deccan and publication of "Afsana and Deccan Review". To understand Maulana's journalistic ideas and journalistic preferences, it is important to know the background of this era. After the War of Independence in 1857, there was a severe crisis of Muslim leadership in the subcontinent because most of the leaders and scholars were forced into exile or executed. In such circumstances it proved to be very beneficial for a reformer of the nation like Sir Syed Ahmad Khan to take the reins of the Muslims. Muslims were suffering from a very bad situation in terms of political, religious, social and literary aspects in the changed conditions.Maulana played an important role in making Muslims conscious and capable. Maulana rendered valuable services through his journalistic writings. After graduating from Aligarh, Zafar Ali received the fellowship of Nawab Mohsin-ul-Mulk, which further enhanced his journalistic, literary and political personality.

Keywords: journalistic, Maulana's residence,publication, religious, valuable, religious

اخبار نویسی یا صحیفہ نگاری دراصل اس تجسس کی رہین منت ہے جو انسانی زندگی کا اقتضا ہے۔ کہ وہ گردو پیش کے حالات سے باخبر رہنا چاہتا ہے اور انفرادی امور اجتماعی سرگرمیوں سے باخبر رہ کر اپنی فلاح وبہبود کے لیے نئے نئے راستے ڈھونڈتا ہے اور خبروں کی غایت یہ ہے کہ ان چیزوں کی بروقت اطلاع ہو جائے جو واقعات ہونے والے ہیں اور جو ہو چکے ہیں اور ان کے نتائج سے آگاہی حاصل ہوتی رہے۔ خبروں کی اشاعت کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کے تاریخ نطق انسانی، ابتدائی زمانے میں خبروں کی اشات کے مختلف طریقے تھے۔

قلم کی ایک جنبش ملک میں تہلکہ مچا سکتی ہے اور سوئے ہوئے کو جگا بھی سکتی ہے۔ آزاد ملکوں کو زکر نہیں مگر غلام ملکوں میں یہ منزل بڑی کڑی ہے اور ثبات قدم کے لیے بے قوف دل پر زور قلم کی ضرورت ہے۔ جہاں ہتھکڑیوں کی جھنکار اور طوقِ گراں بار بھی لکھنے والے کو اس کے مقصد سے نہ ہٹا سکے اور قید و بند اس کے عزم و عمل میں رکاوٹ نہ بن سکے تاکہ جو وہ لکھنا چاہتا ہے وہ لکھے اور پوری جرأت کے ساتھ لکھنے وہ زمانے کے ہاتھوں میں نہ کھیلے بلکہ زمانہ اس کے (قلم کے) ہاتھوں میں کھیلے۔ اخبار خبر کی جمع ہے اور لغوی معنی آگاہی اور تواریخ کے ہیں۔ خبر کا لفظ حدیث نبویؐ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اخبار کے پرچوں میں کوئی قید اندارا مضمون کی نہیں ہے، ہر قسم کے مضامین ان میں لکھے جاتے ہیں۔ اخبار میں زیادہ تر مندرجہ ذیل مضامین ہوتے ہیں:

> "۱۔ اشتہارات مفید عام وخاص، ۲۔ خبریں، ۳۔ آرٹیکل جو ماور طلب ہوں ان پر اہل ملک کی رائے، ۴۔ مضامین علمی، ۵۔ انتظام ملکی پر بحث، ۶۔ ریویو، کیفیت حسن وقبح ان کتب ورسائل اور اخبارات کی جو جدید تصنیف یا شائع ہوتے ہیں، ۷۔ مذہبی و دینی معاملات، ۸۔ خلاصہ قوانین واحکام سرکاری، ۹۔ وہ مناظرے جو فیمابین واخبار نویسوں کے کسی اَمر خاص کی نسبت پیدا ہوں۔"(۱)

۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد صحافت کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں نکلنے والا تب سے پہلا اخبار "اودھ اخبار" تھا۔ جو ۱۸۵۷ء کے آغاز میں لکھنؤ سے جاری ہوا تھا۔ کوہِ نور اور اودھ اخبار کے جاری ہونے کا زمانہ اردو اخبار نویسی کا انیسویں صدی میں دوسرا دور تھا "اخبار عام" پنڈت بامکند اس کے مالک تھے۔ "اخبار عام" اخبار سے پنجاب کی اردو صحافت میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

۱۸۶۳ء میں انجمن کی بنیاد پنجاب میں رکھی گئی اور ۱۸۶۵ء میں اس کے مقاصد کو فروغ دینے اور اس کی کاروائی کو ارکان انجمن تک پہنچانے کے ایک رسالہ جاری ہوا، جس کا نام "رسالہ انجمن اشاعت مطالب مفیدہ پنجاب" رکھا گیا۔ ۱۸۷۰ء میں یہ رسالہ بند ہو گیا اور اس کی جگہ "اخبار انجمن پنجاب" معرض وجود میں آیا۔

اردو صحافت کا ایک بڑا مقصد اخبار کے علاوہ یہ بھی تھا کہ مغربی سائنس اور مشرقی علوم پر مشتمل مواد سے متعلقہ علمی مضامین شائع کیے جائیں تاکہ جدید نسل کو دونوں علوم اور طرز فکر کے متعلق آگاہی ہو سکے اخبارات یہ کام انجام نہیں دے سکتے تھے۔ اس وجہ سے رسائل نے اس ذمہ داری کو اٹھانے کی ہمت کی۔ اردو کا پہلا

حرف و سخن
HARF-O-SUKHAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

رسالہ جو ٹائپ میں چھپا تھا، اس کا نام "خیر خواہ ہند" ہے جو مرزا پور سے ۱۸۳۶ء میں نکلنا شروع ہوا۔ اس میں خبریں نہیں مضامین چھپتے تھے۔

انیسویں صدی اس طرح اردو رسالوں کا علمی معیار قائم رکھتے ہوئے ختم ہوئی اور بیسویں صدی کا آغاز ہوا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں حسرت موہانی نے ایک ماہنامہ نکالا، اردوئے معلیٰ حسرت موہانی، علی گڑھ

رسالہ مخزن: اپریل ۱۹۰۱ء

مولانا کی صحافتی زندگی کا باقاعدہ آغاز مولانا کی حیدر آباد دکن میں رہائش پذیری اور "افسانہ و دکن ریویو" کے اجرا سے ہوا تھا۔ مولانا کی صحافتی نظریات اور صحافتی ترجیحات کو سمجھنے کے لیے اس عہد کے پس منظر کو جاننا ضروری ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد برصغیر میں مسلم قیادت کا شدید بحران پیدا ہوا کیوں کہ اکثر و بیشتر رہنما و علما کو جبری جلاوطنی پر مجبور کیا گیا یا پھر پھانسی دے دی گئی تھی۔ ایسے حالات میں سر سید احمد خاں جیسے مصلح قوم کا مسلمانوں کی باگ ڈور سنبھالنا نہایت فائدہ مند ثابت ہوا۔ مسلمان بدلے ہوئے حالات میں سیاسی، مذہبی، معاشرتی اور ادبی حوالے سے نہایت بدحالی کا شکار تھے۔ انگریز مسلمانوں کو اپنا دشمن مان رہا تھا انگریز طبقے میں یہ خیال پایا جاتا تھا کہ انگریزوں نے اقتدار مسلمانوں سے چھینا ہے اور مسلمان اپنا اقتدار واپس حاصل کرنے کے لیے لازمی جدوجہد کریں گے اس لیے انہوں نے مسلمانوں کو محروم طبقہ بنانے اور سیاسی و معاشرتی سطح پر دبانے کی، اس بات کی تائید لاہور کے ایک انگریزی اخبار کے اداریے اور تبصرے کرتے ہیں۔ اخبار کا نام ہے "لاہور کرانیکل" ۱۱۔ نومبر ۱۸۵۷ء کی اخبار سے ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> "مسلمانوں کی فطرت میں باغیانہ جذبہ موجود ہے۔ یہ اس کے مذہب نے پیدا کر رکھا ہے۔ جب تک ہماری حکومت مسلمانوں کا مذہب برداشت کرے گی اس وقت تک دشمنی کا جذبہ صرف قائم رہے گا بل کہ روز بروز بڑھے گا۔"(۲)

مولانا ظفر علی جدید علوم و فنون کی افادیت کے بارے میں جانتے تھے اور قوم کی اس سے دوری سے بھی واقف تھے وہ انگریزی زبان میں مہارت رکھتے تھے اور انگریزی زبان کی اہمیت کو بھی جانتے تھے۔ مولانا شاعری کرتے تھے، علی گڑھ کی علمی و ادبی سوسائٹیوں کا حصہ تھے۔ علی گڑھ میں ہونے والے مختلف علوم کے مذاکروں میں شرکت کرتے تھے۔ الغرض مولانا جیسی توانا اور پر زور شخصیت کے ابتدائی خدوخال علی گڑھ میں ہی ترتیب پائے، جس نے بعد میں انگریزی استعمار کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔ مولانا نے مسلمانوں کو باشعور اور باصلاحیت بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ مولانا نے اپنی صحافتی تحریروں سے گراں قدر خدمات پیش کیں۔ علی گڑھ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ظفر علی کاں کو نواب محسن الملک کی رفاقت نصیب ہوئی، جس سے ان کی صحافتی، ادبی اور سیاسی شخصیت میں مزید نکھار پیدا ہو گیا۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار رقم طراز ہیں:

> "نواب محسن الملک ان دنوں حیدرت آباد کی ملازمت سے سبک دوش ہو کر بمبئی میں قیام پذیر تھے۔ خواجہ غلام الثقلین کی مستعفی ہونے کے بعد نواب صاحب کو ایک پرائیویٹ سیکرٹری کی ضرورت تھی۔ مولانا شبلی نعمانی کی وساطت سے ظفر علی خاں کا تقرر اس جگہ ہوا اور وہ نواب صاحب کی انگریزی خط و کتابت کا جواب دینے کے علاوہ اکے ایما و ارشاد پر فلسفے کے مضامین اور کتب وغیرہ کا اردو ترجمہ کرتے تھے۔"(۳)

مولانا نے تقریباً ایک سال کے دورانیہ نواب صاحب کی صحبت میں گزارا۔ اس کے بعد حیدر آباد کے علمی و ادبی ماحول کی شہرت کا سن کر وہاں قسمت آزمانے کی ٹھان لی۔ زوال لکھنؤ و دلی کے بعد حیدر آباد دکن کا واحد و یکتا ماحول تھا جہاں صاحبان علم و فن کی قدر افزائی کی جاتی تھی۔ حیدر آباد دکن میں پورے ہندوستان کے ماہرین علم و فن، ادیب وغیرہ رونق افروز تھے۔ مولانا بھی حیدر آباد میں تشریف لے آئے، شبلی نعمانی اور نواب محسن الملک کی سفارش، شبلی کے مشورے سے حیدر آباد فون میں ملازمت اختیار کی۔ نیزہ بازی، شہ سواری، پیراکی کے ماہر تھے۔ فوج میں بھی جوہر دکھائے۔ ورزش کے شوقین تھے کھیل کے میدان میں بھی کسی سے پیچھے نہ تھے۔ ابھی فوج میں زیادہ دن نہیں گزارے تھے کہ مولوی عزیز مرزا کی ایما پر ہوم آفس چلے گئے۔ مولوی عزیز مرزا علی گڑھ کے سینئر ساتھی تھے۔ ان دنوں حیدر آباد دکن میں ہوم سیکرٹری کے عہدے پر فائز تھے۔ مولانا نے تن دہی اور پوری مہارت سے کام کیا اور جلد ہی حیدر آباد دکن میں ہوم سیکرٹری کے عہدے پر ترقی کر گئے۔

ادھر حیدر آباد دکن میں مولانا کی تمام علی و ادبی صلاحیتیں کھل کر سامنے آئیں، مولانا صاحب علمی و ادبی مشاغل میں حصہ لیتے رہے۔ تالیف و تصنیف اور تراجم کا دقیع سلسلہ شروع کیا بطور صحافی ان کی شخصیت کے ابتدائی خدوخال بھی حیدر آباد میں ہی ترتیب پائے اور ادھر ہی انہوں نے مختلف رسائل و جرائد کے اجرا کا سلسلہ قائم کیا جو مولانا ظفر علی خاں نے مختلف ادوار میں جاری کیے۔ ان رسائل و جرائد کے عہد ان کے اجرا کے اسباب اور ان کے رجحانات کا جائزہ لیا جائے تا کہ ان کے تناظر میں مولانا ظفر علی خاں کی صحافتی نثر کی درست تفہیم کی جا سکے۔ مولانا کے رسائل و جرائد کے نام درج ذیل ہیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

۱۔افسانہ ۲۔دکن ریویو ۳۔زمیندار

۴۔پنجاب ریویو ۵۔ستارہ صبح

حیدر آباد میں قیام کے دوران مولانا بہت جلد ایک اعلیٰ درجے کے مترجم کے طور پر مشہور ہو چکے تھے۔ مولانا ظفر علی خاں کے بامحاورہ اور مؤثر ترجموں کا چرچا ہر جگہ پر تھا۔ یہی شہرت ان کو صحافت کے باقاعدہ آغاز کے لیے اکساتی رہی، ویسے ل بھی مولانا کی رگوں میں ایک قوم پرست صحافی کا خون دوڑ رہا تھا مگر وہ از خود میدان خار صحافت میں قدم نہ رکھنا چاہتے تھے۔ مگر مولانا کے احباب نے مولانا کی طبیعت کے ذوق کی آبیاری کے لیے مکمل تعاون کا یقین دلاتے ہوئے ان کو آمادہ کیا کہ وہ ایک معیاری اردو زبان میں پرچہ نکالیں، جدید انگریزی ادب کے حوالے سے جو مختصر کہانی کے فروغ کا باعث بنے۔ افسانے آج جس قدر بھی ترقی کی ہے اس میں مولانا کا نام نہیں لیا جاتا، جو ایک نہایت افسوسناک امر ہے۔ حالانکہ مولانا کے تراجم اور ان کے رسالہ افسانہ نے انگریز فکشن کو اردو میں مقبول عام بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ مولانا ظفر علی خاں جولائی ۱۹۰۲ء میں افسانے کی دنیا میں "افسانہ" لے کر وارد ہوئے۔ مولانا اپنے لفظوں میں افسانہ کی روداد کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "افسانہ کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ چند یاران باوفا نے مل کر یہ قصد کیا کہ اس طرح کا پرچہ نکالا جائے کہ جس میں سب کا سرمایہ اور محنت مشترکہ ہو اور چوں کہ میری نسبت میرے رفقاء اور شرکاء کو حسن ظن تھا۔ اس لیے اس کی ایڈیٹری میرے سپرد کی گئی لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرنے پایا تھا کہ ایک کے سوا باقی سب رفیق اس سے الگ ہو گئے۔ تھوڑے دنوں کے بعد بخت و حالات نے اس رہے سہے رفیق کو بھی مجھ سے الگ کر دیا اور میں بالکل اکیلا رہ گیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو کام چار آدمیوں کے سپرد تھا وہ ایک آدمی کو کرنا پڑتا تھا۔ اور جو مالی ذمہ داری پہلے چار آدمیوں پر بٹی ہوئی تھی ایک سے متعلق ہو گئی۔ دولت آصفیہ کے محکمہ ہوم سیکرٹری کے صدر کی اہم خدمات کی انجام دہی کے بعد اس میں پورے چھ گھنٹے صرف ہوتے ہیں اور کچھ دنوں سے بعض عہدے داروں کے رخصت پر چلے جانے کے باعث جو خدمات مجھے تفویض ہوئی ان کے لحاظ سے پورے ۹ گھنٹے سرکاری کام کرنا پڑتا ہے۔ میرے غریب دماغ کی پراگندگی اور انتشار کی جو کیفیت ہوتی ہوگی اس کا اندازہ آپ صاحبوں میں سے وہ حضرات بخوبی کر سکیں گے جو خود سرکاری ملازم ہیں۔ لیکن بایں ہمہ کچہری سے واپس آکر تھکے دماغ کو آرام دینے کے بجائے "افسانہ" کے لیے ترجمہ شروع کر دیتا ہوں۔ اس کے بعد مطبع سے آئی ہوئی کاپیاں دیکھتا ہوں۔ پروفوں کی تصحیح کرتا ہوں۔ رجسٹروں کی خانہ پری کرتا ہوں اور جو دوسرے مشاغل ہیں وہ اس پر مستزاد ہیں۔"(۴)

مولانا نے ۱۹۰۳ء میں براہِ راست ملی و قومی صحافت کا آغاز کرتے ہوئے "دکن ریویو" کے نام سے ایک نیا رسالہ نکالا اور افسانہ کی گرتی ہوئی ساکھ کو بحال کرنے کے لیے افسانہ رسالہ کو بند کرنے کی بجائے مولانا نے دکن ریویو میں افسانہ کو ضم کر دیا۔ ۱۹۰۴ء میں "دکن ریویو"، "افسانہ" ہی کی طرح جدید خطوط پر مشتمل تھا مگر دکن ریویو کی نوعیت علمی و ادبی اور صحافتی تھی اور ترقی کی اعلیٰ منازل طے کرنے لگا تھا اور اس عہد کے نامور اہل قلم نے دکن ریویو میں اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور تھوڑے وقت میں ہی دکن ریویو حیدر آباد کی صحافتی فضا میں ایک بااعتماد اور کامیاب ہو گیا تھا۔ ماہنامہ افسانہ حیدر آباد دکن سے انگریزی مہینہ کی پہلی تاریخ کو ۵۰ صفحہ کے حجم کے ساتھ مطبع حیدر آباد پریس سے نکلا کرتا تھا۔ جب جنوری ۱۹۰۴ء اس افسانہ کو دکن ریویو کے ساتھ شامل کر کے ایک حصہ بنا دیا اور افسانہ لندن اور دیگر علمی و ادبی مضامین شامل کرنے کے بعد اب اس کا حجم ۶۰ صفحات پر مشتمل ہو گیا تھا۔ دکن ریویو میں نظم و نثر کے اعلیٰ درجے کے علمی و اخلاقی مضامین شائع کیے جانے کا اعلان ہوا۔

رسالے کا نام "دکن ریویو" اس لیے منتخب کیا گیا تا کہ ایک طرف تو یہ رسالہ کھلے دروازوں کی پالیسی پر کاربند ہو کر اعلیٰ تعلیم یافتہ اور روشن فکر قارئین کی توجہ حاصل کرے اور دوسری طرف دکن کے علاقائی علمی و ادبی ورثے، طرز فکر، ادبی اور جمالیاتی رجحانات کی قیادت کر سکیں۔ مولانا تخلیقی شخصیت کے مالک تھے، انہوں نے نہایت فخر کے ساتھ اپنے ہم عصر مجلوں کے سامنے پیش کیا اور سرخرو ہوئے۔ دکن ریویو کا سرورق موٹے کاغذ پر رنگین شائع ہوتا تھا۔ اس پر اہم شخصیت یا کسی اہم مقام کی تصویر کے علاوہ کبھی کوئی آرائشی ڈیزائن بھی شائع کیا جاتا تھا۔ اس دور کے بہت سے پرچے نیوز پرنٹ پر شائع ہوئے مگر مولانا نے بہت سے پرچوں کو سفید کاغذ پر شائع کر کے صحافتی معیار کو دور چن بنانے کی کوشش بھی کی۔ "دکن ریویو" کے آخری ادوار میں مضمون نگاروں کو معاوضہ بھی دیا جاتا تھا مگر بعض تذکرہ نگار کہتے کے مالی مدد کو وہ تسلیم نہیں کرتے، بعض کہتے کہ معاوضہ دیا جاتا تھا۔ امداد صابری معاوضہ دینے کے معاملے پر تائید کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> "رسالہ کی مالی حالت اچھی ہونے کی وجہ سے فروری ۱۹۰۹ء کے شمارے میں مضمون نگاروں کو معاوضہ دینے کا اعلان ہوا۔"(۵)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

مولانا ظفر علی خاں نے دکن ریویو میں نہایت بلند درجہ شاعری کو وسیع کیا اور معروف شعراء کو دعوت کلام دی اور خود بھی جاندار شاعری پیش کی۔ انہوں نے بلند پایہ نظمیں پیش کیں، جو مولانا کی ہمیشہ تر و تازہ رہنے والی شاعری کا ایک حصہ ہیں۔ مولانا کی ایک حمد "ذوالجلال" ہے جس کے بارے میں نظیر زیدی رقم طراز ہیں کہ:

"یہ ان مسائل توحید پر انتہائی فلسفیانہ نہایت بلیغ اور طویل نظم ہے، جس سے ان کے فلسفیانہ نقطہ نظر اور اس کے اظہار بیان پر پورے کمال کا پتا چلتا ہے۔ بو علی سینا پر ان کے عالمانہ زور قلم کے باعث ایک طویل مضمون مسلسل اس پرچہ میں نکلتا رہا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ بو علی سینا اور ارسطو کے فلسفہ پر پورا ادراک رکھتے تھے اور اپنی اس نظم میں اس فلسفیانہ اظہار کے نقطہ نظر کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔"(۶)

مولوی سراج الدین مولانا ظفر علی خاں کے والد محکمہ ڈاک کی تیس سال کی ملازمت ۱۹۰۳ء میں سبک دوش ہوئے تو انہوں نے ملکی اور ملی مفاد کے زاویہ نظر سے اخبار کے اجرا کو پسند کیا۔ وہ سرسید کے پیرو تھے، تعلیمی، سیاسی اور مذہبی معاملات میں بڑی حد تک، تہذیب الاخلاق میں مولوی سراج الدین کے مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ مولوی سراج الدین ادیب و شاعر تھے اور خود زمین دار بھی اور زمین داروں کی پستی اور جہالت کے اسباب سے بے خبر نہ تھے۔ اسی وجہ سے غور و فکر کے بعد انہوں نے لاہور سے ہفتہ وار زمیندار جاری کیا یکم جون ۱۹۰۳ء۔ ۴ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ، ۱۹ جیٹھ ۱۹۶۰ء بکرمی کو۔ جس کی پیشانی پر مولوی سراج الدین کے اس شعر سے مزین نظر آتی تھی:

نام کو تو ہوں زمیندار اور اگر سوچو ذرا
ملک کا حاجت روا ہوں قوم کا مشکل کشا

یہ اخبار ۱۸x۲۲/۴ کے بارہ صفحوں پر شائع ہوتا تھا۔ سراج الدین مرحوم نے اس اخبار کے ذریعے زمینداروں کی خدمت کی اور یہ ہفتہ روزہ زمیندار کا مشن تھا۔ زمین داروں میں بیداری اور قوت عمل کی روح پیدا کر دے۔ آخر کار چھے سال کی لگاتار دماغی محنت اور ادارت کی شدید ذمہ داریوں نے ان کے جسمانی قویٰ پر اثر ڈالا، مولانا مرحوم کا جگر اور معدہ بہت کمزور ہو گیا اور وہ کام کرنے کے قابل نہ رہے۔ مولانا ظفر علی خاں اپنے والد اور زمیندار کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"نسب سے پہلے اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لحاظ سے آپ نے ایک اخبار بنام "زمیندار" جاری کیا اور اس کے ذریعہ سے اپنی آواز جو گم کردہ راہ کارواں کے لیے بہ منزلہ بانگِ درا تھی، زمینداروں تک پہنچانا شروع کی۔ یہ آواز اول اول بہت ہی دھیمی اور مدھم تھی لیکن رفتہ رفتہ بلند اور پاٹ دار ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ دشت و جبل اور وادی کہسار اس سے گونج اٹھے اور ایک اخبار "زمیندار" نے چند سال کے عرصے میں وہ کام کیا جو بڑی سے بڑی طاقتوں نے صدیوں سے انجام نہ دیا تھا۔ زمینداران پنجاب میں حرکت اور بیداری کے آثار پیدا ہو گئے۔"(۷)

"زمیندار" کی کاوشوں سے زمیندار طبقے میں شعور اور بیداری کا جذبہ بیدار ہوا اور ان کے حقوق جو عرصے سے پامال کیے جا رہے تھے، ان کے حصول پہ یہ طبقہ آمادہ وہا۔ مولوی سراج الدین نے زمیندار کے ذریعے زمینداروں کو کاشتکاری کے مفید مشورے بھی دیے اور دیہاتی زندگی کے ماحول کو شہری زندگی پر ترجیح دے کر دیہاتیوں کے احساس کمتری کو دور کرنے کی کوشش بھی کی۔ وہ اکیلے اپنے نصب العین محاذ پر ڈٹے رہے، یہاں تک کہ وہ بیمار پڑ گئے۔

۹۔ نومبر ۱۹۰۹ء کو مولوی سراج الدین وفات پا گئے اور زمیندار کی ادارت مولانا ظفر علی خاں نے سنبھال لی اور انہوں نے یکم جنوری ۱۹۱۰ء کو کرم آباد ہی سے "زمیندار" کا ایک پرچہ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ نکالا کہ دیکھنے والے دیکھتے ہی رہ گئے۔ مولانا نے زمیندار کو کرم آباد سے ۱۹۱۱ء تک جاری رکھا۔ بالآخر یکم مئی ۱۹۱۱ء سے "ہفت روزہ زمیندار" لاہور سے جاری ہوا، اس بارے میں مولانا ظفر علی خاں رقم طراز ہیں:

"خدا کا نام لے کر ہم لاہور آ گئے اور ایک مکان لے لیا، جس کے ایک طرف بادشاہی مسجد دوسری طرف ایک شوالہ ہے لیکن خدا کا گھر پھر بھی چند قدم کے فاصلے پر ہے اور مہادیو جی کے استھان کی دیور سے غریب خانے کو نسبت اشتراک حاصل ہے۔"(۸)

مولانا ظفر علی خاں کے ادارت سنبھالتے ہی اخبار کی محدود پالیسی کو وسیع کر دیا گیا اور اسے قومی اہمیت کا ہفت روزہ زمیندار بنا دیا گیا۔ اور اس کے مشمولات میں تنوع اور رنگا رنگی پیدا کر دی گئی۔ جس سے ہفت روزہ اعلیٰ تعلیمی حلقوں اور عوامی حلقوں میں یکساں قبول ہونے لگا۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس اور عبداللہ یوسف علی کی تقریر۔ ان مشمولات کو صاف نظر آرہا ہے کہ مولانا دکن ریویو ہی کی پالیسی کو نئے رنگ ڈھنگ سے پیش کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

مولانا ظفر علی خاں کے مزاج اور رویے کا اثر ان کے اداریوں کے ساتھ اخبار کی مجموعی پالیسی پر بھی ہوا۔ اس بات کا اندازہ "زمیندار" کے سرورق ہی سے لگایا جا سکتا ہے۔ مولوی سراج الدین کی ادارت میں جب زمیندار نکلتا تھا تو اس کی پیشانی پر قرآن حکیم کی ایک آیت کا ترجمہ لکھا ہوتا تھا۔ خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ قوم اپنی حالت آپ نہ بدلے۔ اس کے ساتھ شعر بھی ہوتا تھا۔

نام کو تو ہوں زمیندار اور اگر سوچو ذرا
ملک کا حاجت روا ہوں نوع کا مشکل کشا

جب مولانا ظفر علی خاں کے زمیندار کی ادارت سنبھالی تو انہوں نے شعر کو میر عثماں علی خان کے شعر سے بدل دیا:

تم خیر خواہِ دولت برطانیہ رہو
سمجھیں جناب قیصر ہند اپنا جاں نثار

اشعار کا ردوبدل "زمیندار" اور ظفر علی کے مزاج کی عکاسی کرتا ہے۔ ہفت روزہ زمیندار نے معاشرتی اصلاح، حکومتی پالیسیوں، پر تنقید اور صحافیوں کو نئے حالات کی طرف توجہ بھی دلائی۔ مولانا ظفر علی خاں نے جب ہفتہ وار زمیندار کی ادارت سنبھالی تو انہوں نے دکن ریویو کی طرز اور پایہ کا پرچہ "پنجاب ریویو" بھی نکالنا شروع کیا۔

"پنجاب ریویو" ایک اعلیٰ درجے کا علمی و ادبی ماہوار ریویو تھا جو مولانا ظفر علی خاں نے ۱۹۱۰ء میں جاری کیا تھا۔ "پنجاب ریویو" کا پہلا شمارہ اگست ۱۹۱۰ء میں شائع ہوا۔ کرم آباد سے اور یہ رفاہِ عام اسٹیم پریس لاہور چھپتا تھا۔ حیدر آباد دکن کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر مولانا ظفر علی خاں جب اپنے آبائی گاؤں کرم آباد آگئے اور اپنے والد سراج الدین کی وفات کے بعد ان کے ہفت روزہ رسالے "زمیندار" کیادارت سنبھالی لیکن زمیندار کا محدود کینوس مولانا کے جذبات اور خیالات کی ترجمانی نہیں کر سکتا تھا کیوں کہ اس زمانہ میں "زمیندار" ابھی کسانوں اور زمینداروں کی معاشرتی اور معاشی اصلاحات پر ہی لکھتا تھا۔ جب کہ مولانا ظفر علی خاں حیدر آباد دکن میں دکن ریویو جیسا علمی و ادبی رسالہ چھوڑ کر آئے تھے۔ لہٰذا اپنے مزاج کے عین مطابق انہوں نے دکن ریویو کی طرز پر ہی اور اسی پایہ کا میگزین پنجاب ریویو نکالنا شروع کر دیا۔

"پنجاب ریویو" بھی دکن ریویو کی طرح ہی ماہنامہ تھا اور اس کی ضخامت پچاس صفحات پر مشتمل تھی۔ شروع شروع میں کرم آباد سے ہی یہ رسالہ شائع ہوتا تھا اور بعد ازاں "زمیندار" کے ساتھ مولانا اسے لاہور لے آئے۔ پنجاب ریویو میں علمی و ادبی مضامین دکن ریویو کی طرح شائع کیے جاتے تھے۔

"ریویوز" ان مجلات کو کہتے ہیں جو خالصتاً سیاسی و سماجی خبروں اور تبصروں پر مبنی ہوں۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار رقم طراز ہیں کہ:

> "پنجاب ریویو بھی مشرق و مغرب کے صحت مند ادبی افکار کا ترجمان تھا۔ جس میں انگریزی مضامین کے بامحاورہ اردو تراجم بھی شامل ہوتے تھے۔ ترجمہ کرنے کی صورت بقول حامد علی خاں صاحب پر ہوتی تھی کہ مولانا کے ہاتھ میں انگریزی میگزین یا رسالہ ہوتا تھا۔ حقے کا کش لگاتے تھے اور انگریزی مضمون کو اس طرح اردو میں لکھواتے جاتے جیسے ان کے سامنے انگریزی نہیں بل کہ اردو میں لکھا ہوا مضمون ہو۔"(۹)

"پنجاب ریویو" ایک ناکام مگر معلومات افزا صحافتی تجربہ ہے۔ پنجاب ریویو اپنے آغاز ہی سے مولانا کی توجہ کی احسن ترجیح نہ تھا۔ مولانا کی اصل توجہ زمیندار پر ہی رہی۔ ہفت روزہ زمیندار کے ساتھ مولانا کا ایک جذباتی اور وراثتی تعلق تھا۔ پنجاب ریویو کے پرچے نہ تو مسلسل ہر ماہ شائع ہوتے تھے نہ اس کی ادارت میں "ستارہ صبح" اور "دکن ریویو" جیسی گہما گہمی تھی۔ پنجاب ریویو میں اس عہد کے بڑے بڑے نام اپنے مضامین اور شاعری اشاعت کے لیے بھیجتے تھے خود مولانا نے کئی شاندار بلند پایہ مضامین لکھے مولانا کے کیے ہوئے تراجم بھی اس رسالے میں شائع ہوتے رہے۔

انگریز نے جب مولانا ظفر علی خاں اور زمیندار پر پے در پے سختیاں شروع کیں تو مولانا کے لب و لہجے اور قلم میں سختی اور جارحانہ پن آتا گیا جس کے سبب اخبار "زمیندار" کی ضمانتیں ضبط ہوئیں بالآخر۔ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو ظفر علی خاں کو کرم آباد میں انڈین پریس ایکٹ کے تحت نظر بند کر دیے گئے۔ نظر بندی کے دوران ضمانت کے طور پر بیس ہزار کے مچلکے اور بیس ہزار کی شخصی ضمانت بھی دی گئی۔ کرم آباد میں نظر بند ہونے کے بعد مولانا کی تحریریں زمیندار میں چھپنی بند ہو گئیں اور ان کو

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

مدیر کی حیثیت سے بھی دست بردار ہونا پڑا۔ پہلے تو زمیندار اخبار کے سرورق پر بطور مالک مولانا کا نام لکھا جاتا تھا لیکن حکومت وقت کو یہ بھی گوارہ نہ تھا۔ اس وجہ سے مولانا نے ۱۱۔ مارچ ۱۹۱۵ء کو اخبار کے حقوق کی ملکیت اپنی بیوی کے نام پر منتقل کر دی اور اخبار پر بطور مالک بیگم ظفر علی خاں کا نام لکھا جانے لگا۔ مگر کچھ عرصہ بعد حکومت کی مزید سختیوں کی وجہ سے زمیندار کو بند کر دیا گیا۔ نظر بندی میں مولانا ایک ادیب اور شاعر کی نہیں بل کہ ایک کاشت کار کی سی زندگی گزار رہے تھے۔ مگر ایک قلم کار کتنی دیر خود کو لکھنے پڑھنے سے دور رکھ سکتا تھا لہٰذا مولانا ظفر علی خاں اپنی پرانی دلچسپیوں کی طرف لوٹنا چاہتے تھے، جس کی اجازت انہیں حکومت کی طرف سے نہیں مل رہی تھی۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار لکھتے ہیں:

"ان دنوں ظفر علی خاں کے مالی حالات کچھ اچھے نہیں تھے۔ اخبار کی بندش سے حالت اور سقیم ہو گئی تھی۔ نظر بندی کے ساتھ تحریر و تقریر کے سلسلے بند ہو گئے تھے۔ انہوں نے کاروبار کے بارے میں سوچا اور شکر سازی کا کارخانہ لگانے کا پروگرام بنایا مگر حکومت نے اس کی اجازت نہ دی۔ پھر انہوں نے دائرہ معارف شرقیہ قائم کر کے اپنے علمی مشاغل کو جاری رکھنے کا منصوبہ سوچا، جس کی حکومت نے مشروط طور پر اجازت دی۔ یہ بیل بھی منڈے نہ چڑھی، آخر کار کرم آباد سے ایک ہفتہ وار ادبی رسالہ نکالنے کی اجازت اس شرط کے ساتھ ملی کہ اس پرچے میں سیاسی مسائل زیر بحث نہیں آئیں گے۔"(۱۰)

حکومت کی اجازت ملنے پر کہ اس روزنامہ کی سیاسیات سے کوئی مطلب نہ ہو گا چنانچہ اس اخبار کا پہلا غیر سیاسی ادبی اخبار کرم آباد سے ۱۲۔ نومبر ۱۹۱۶ء بمطابق ۱۴۔ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ کو جاری کیا۔ اس کے پہلے شمارے میں لکھا گیا کہ یہ اخبار بالفصل ہفتہ وار شائع ہوا کرے گا۔ اس کی ضخامت ۳۲ صفحات کی ہوا کرے گی، پہلا شمارہ بطور نمونہ شائع کیا جاتا ہے جس کے بعد چند دنوں تک وقفہ رہے گا اور پھر مسلسل اشاعت ہونے لگے گی۔

نمونے کے شمارہ کی قیمت آٹھ آنے (۸) ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی کہ اس شمارہ میں کل ۵۲ صفحات تھے۔ ویسے ستارہ صبح کی سالانہ قیمت ۶ روپے اور فی شمارہ ۲ آنہ تھی۔ اس اخبار کا پہلا شمارہ کرم آباد سے شائع ہوا۔ لیکن اشاعتی پریشانیوں کے باعث اس کی دوسری اشاعت چند دنوں کے بعد لاہور سے ہوئی اور بند ہونے تک یہ مسلسل لاہور سے نکلتا رہا۔ ستارہ صبح اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل منفرد اخبار تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بہت جلد علمی و ادبی حلقوں میں "زمیندار" کی طرح تو نہیں لیکن پھر بھی اس نے اپنی ایک الگ شناخت بنالی۔ اس کے سرورق میں سب سے اوپر یہ دعا:

"رب زدنی علماً" اور اس کے نیچے فارسی کا یہ شعر درج ہوا کرتا تھا:

من آں ستارہ صبحم کہ در محل طلوع
ہمیشہ پیش رو آفتاب مے باشم(۱۱)

مولانا "ستارۂ صبح" میں ہندو مذہب کے قوانین ان کے رہن سہن، اردو سے ان کی دلچسپی وغیرہ کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لیے کہ ہندوستان میں رہنے والا ہر شخص اور خاص کر مسلمان اس سے آشنا رہیں، جیسا کہ ستارہ صبح میں بھی ان لفظوں میں بیان کیا گیا ہے:

"ہندو قوم، ہندو مذہب، ہندو تاریخ، ہندو روایات، ہندو فلسفہ غرض کہ ہندوؤں کے متعلق جتنی باتیں ہیں ان کی تنقیح و تنقید ہمارا خاص مطمع نظر ہے کہ دنیا کی اس قدیم ترین تاریخی قوم کے کسی پہلو سے بھی عوام اہل ہند کسی طرح نہ آشنارہ جائیں۔"(۱۲)

"ستارۂ صبح" میں ایسا نہیں تھا کہ صرف ہندوؤں کے مذاہب پر ان سے تعلق رکھنے والے ہی مضامین شائع ہوتے تھے بل کہ دوسرے مذاہب اور مختلف نوعیت کے مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔ "ستارۂ صبح" میں ایک اور بات جو سامنے آتی ہے وہ اس کی حقیقت پسندی اور غیر جانب داری ہے۔ اس رسالے میں تاریخ کا بھی وافر حصہ موجود ہے اور تاریخی واقعات کو دلائل و شواہد کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس پرچے کے مضامین کے قطع نظر اس کے انداز تحریر نے بہت ہی تھوڑے عرصہ میں علمی و ادبی حلقوں کے ایک بڑے گروہ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ مولانا نے اپنے اخبار ستارہ صبح کے ذریعہ ملک و قوم کی جو خدمت کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ کئی ایسے مضامین تحریر ہے جس سے اسلام کی حقیقی شکل واضح کیا جا سکے:

"ہر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ دودھ تھوہر میں بھی ہوتا ہے اور عصارہ بادام میں بھی لیکن ایک جاں ربا ہے اور دوسرا جاں پرور۔ اسلام کا اندازہ اگر کرنا ہو تو اس کی تعلیم سے کرو اور دیکھ لو کہ بنی نوع بشر کے حق میں یہ تعلیم باعث رحمت ہے۔ یا موجب زحمت۔"(۱۳)

"ستارۂ صبح" علمی اور ادبی کاشوں کا ایک عجب مرقع تھا۔ باوجود اس کے اس پر حکومت کی اس قدر پابندیاں عائد تھیں کہ نہ چاہتے ہوئے بھی مولانا ظفر علی

خاں نے فروری ۱۹۱۸ء میں ستارہ صبح سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔

"ستارۂ صبح" کی ایک بڑی خصوصیت صحافتی ادب میں لفظ سازی ہے۔ انہوں نے اپنے ادب میں مولانا کی ادبی و صحافتی زندگی میں "ستارہ صبح" بڑی اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ اس اخبار میں مولانا نے جس قدر اداریے اور مضامین لکھے وہ اپنی زمیندار کی پوری صحافتی زندگی میں وہ نہ لکھ سکے۔ "ستارہ صبح" پر اگرچہ سیاسی موضوعات کو زیر بحث لانے والے پر پابندی تھی لیکن مولانا بعض باتیں اشاروں اور کنایوں میں بھی کر جاتے تھے۔ ستارہ صبح کی اشاعت پر اس کے مقاصد بیان کرتے ہوئے ظفر علی خاں لکھتے ہیں:

"اس اخبار کے ذریعے ہندوستان کے ہر قوم و ہر جماعت کے خدمت علمی پیش نہادِ خاطر ہے۔ یہ ہندو مسلمانوں کا مشترکہ اخبار ہے۔ یہ عام فرزندان ہند کی علمی وراثت ہے۔ یہ ایک جانب کرش کے خلفیہ، بھیشم تپامہ کے اخلاق منو کے قانون بودھ کے تقویٰ، براہمہ اقدمین کو برہم و دیا کی میراثت ہے اور دوسری جانب اسلام اور اس کے انوار معرف کا آئینہ دار ہے۔"(۱۴)

ظفر علی خاں نے نظر بندی کے دوران "ستارہ صبح" شائع کر کے اہم کارنامہ سر انجام دیا۔ یہ رسالہ بلاشبہ اپنے عہد کی علمی، ادبی اور ثقافتی زندگی کی تاریخ ہے۔ مقامی ہی نہیں بل کہ عالمی سطح پر ظہور پذیر ہونے والے علمی و ادبی واقعات بھی ظفر علی خاں کے قلم سے دامن نہ بچا سکے۔

"ستارہ صبح" کے شماروں کے مضامین کی فہرست ملاحظہ کیجیے جس کے مشمولات سے ستارہ صبح کے علمی و ادبی مجلہ ہونے کا اندازہ ہو گا اور اس کے معیار کا اندازہ با آسانی لگایا جا سکتا ہے۔ ستارہ صبح میں مولانا ظفر علی خاں زیادہ تر خود ہی لکھتے تھے اس پرچے میں کسی کا نام نہیں اس لیے بظاہر سارے مضامین مولانا ظفر علی خاں کے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ نظیر حسین زیدی، ڈاکٹر، مولانا ظفر علی خاں بحیثیت صحافی، کراچی، مکتبہ اُسلوب، ۱۹۸۵ء، ص:۱۹۲

۲۔ لاہور کرانیکل انگریزی اخبار، ۱۱۔ نومبر ۱۸۵۷ء عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر، کاروان صحافت، کراچی: انجمن ترقی اُردو ۱۹۶۴ء، ص:۴۵

۳۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، ظفر علی خاں۔ ادیب و شاعر، لاہو: مکتبہ خیابان ادب، ۱۹۶۷ء، ص:۶۵

۴۔ افسانہ، حیدر آباد دکن: جلد اول، شمارہ ۲۰، دسمبر ۱۹۰۶ء

۵۔ امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد چہارم، دہلی: ۱۹۷۴ء، ص:۴۶۵

۶۔ نظیر حسین زیدی، ڈاکٹر، مولانا ظفر علی خاں بحیثیت صحافی، کراچی: اسلوب، ۱۹۸۵ء، ص:۶۹

۷۔ عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر، مولانا ظفر علی خاں اخبار زمیندار، کاروان صحافت، ص:۱۳۰

۸۔ نظیر حسین، ڈاکٹر، مولانا ظفر علی خاں بحیثیت صحافی، ۱۹۸۵ء، ص:۹۹

۹۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، ظفر علی خاں حیات، خدمات و آثار، ص:۸۷

۱۰۔ ایضاً، ص:۸۷

۱۱۔ جلد اول، کرم آباد، ۱۲۔ نومبر ۱۹۶۱ء

۱۲۔ ستارہ صبح، ۱۶۔ جنوری، جلد ۱، ۱۹۱۷ء، ص:۲

۱۳۔ عنایت اللہ نعیم سوہدروی، ظفر علی خاں اور ان کا عہد، ص:۲۷۶

۱۴۔ مولانا ظفر علی خاں: حیات۔ خدمات و آثار، ص:۲